بسم اللہ الرحمن الرحیم

ہندوستان میں تدریس فقہ واصول فقہ–فنی اور تاریخی نقطۂ نظر سے

فقہ اسلامی ایک مکمل قانون ہے، جس میں انسان کی ہر چھوٹی بڑی ضرورت کے لیے ہدایات موجود ہیں، انسانی زندگی کا کوئی گوشہ ایسا نہیں جس پر اس سے روشنی نہ پڑتی ہو، بلکہ زندگی کے ساتھ قبل از ولادت اور بعد از موت کی تفصیلات بھی یہاں موجود ہیں،۔۔۔۔۔اس کی اہمیت کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ قدرت کی طرف سے اس کو ارادۂ خیر کی علامت قرار دیا گیا، **من يرد الله به خيرا يفقهه في الدين**(صحيح البخاري] ص ۳۹ ج ۱ حد :۷۱ ،المؤلف : محمد بن إسماعيل أبو عبدالله البخاري الجعفي الناشر : دار ابن كثير ، اليمامة – بيروت الطبعة الثالثة ، 1407 – 1987)

فقہ اسلامی ایک مکمل قانون اور زندہ فن

اسی لئے فقہ اسلامی ایک انتہائی مشکل موضوع ہے جس میں ہر دور کے بہترین دماغ خرچ ہوئے ہیں اور امت کے ذہین ترین لوگوں نے اس پر کام کیا ہے، دیگر علوم وفنون کی طرح اس کی فنی اہمیت بھی بہت زیادہ ہے لیکن اصل چیز جس نے ہر دور میں اس کو زندہ فن کے طور پر باقی رکھا ہے اور جس میں دنیا کا کوئی علم وفن اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا وہ ہے حالات زمانہ پر اس کی تطبیق کا مسئلہ، یہ محض ایک فن نہیں ہے جو تحقیق وریسرچ کی چہار دیواریوں میں محدود رہے بلکہ دنیا کی قیادت اس کے ہاتھ میں ہے، احوال زمانہ پر اس کی نظر ہے، سوسائٹی کا نظم وضبط اس کے ذمہ ہے، نظام اخلاق کی باگ ڈور اس کے پاس ہے، احوال وظروف کی تشکیل میں اس کا بڑا حصہ ہے،..... اسلامی قانون اخلاق اور انسان کی پرائیوٹ لائف سے بھی بحث کرتا ہے اور سیاسی اور اجتماعی نظام سے بھی، اسلامی قانون انسانی دنیا کے لئے خدا کا شاندار عطیہ ہے، انسانوں کا بنایا ہوا کوئی قانون اس کی ہمسری نہیں کر سکتا، جب تک دنیا پر اسلامی قانون کی حکمرانی قائم رہی دنیا میں امن وسکون اور خوشحالی وفارغ البالی بھی پورے طور پر باقی رہی لیکن جب سے دنیا اس قانون کے سایہ سے محروم ہوئی ہے بدامنی، بدچلنی، غربت وبھوک مری عام ہوئی، محبت ورواداری نے دم توڑ دیا، انسانی قدریں پامال ہوئیں، سارا فلسفۂ اخلاق کتابوں کے اوراق تک محدود ہو کر رہ گیا، عام زندگی سے اس کا کوئی تعلق باقی نہیں رہ گیا، قانون کو بازیچۂ اطفال بنا دیا گیا، قانون کو اپنی خواہشات کی تکمیل کا ذریعہ بنالیا گیا، دنیا نے اسلامی قانون سے محرومی کیا گوارا کی، زندگی کی ساری رونقوں سے محروم ہو گئی، آج دنیا کو پھر اسی قانون کی ضرورت ہے،

فقہ اسلامی کی تعلیم وترویج میں مدارس اسلامیہ کا کردار

اللہ کا کرم ہے کہ برصغیر کے مسلمانوں کا مدارس دینیہ کے توسط سے فقہ اسلامی کے اس عظیم سرچشمہ سے مضبوط رشتہ قائم ہے، اور

مدارس کے ذریعہ صدیوں سے فقہاء اور قانون اسلامی کے ماہرین کی تیاریوں کا سلسلہ جاری ہے، اور جب تک اللہ پاک نے اس سرزمین پر اپنے دین کی بقاو تحفظ کا فیصلہ کیا ہوا ہے یہ تسلسل بھی اسی طرح جاری رہے گا انشاء اللہ۔

مدارس کے نصاب تعلیم میں ہمارے سلف صالحین اور ماہرین تعلیم نے فقہ اور اصول فقہ کی جو منتخب کتابیں شامل کی ہیں، وہ ان بزرگوں کی فنی مہارت، فقہی بصیرت اور زمانہ آگہی کی آئینہ دار ہے، یہ کتابیں بتدریج طالب علم میں فقہی ذوق اور قانونی ملکہ پیدا کرتی ہے، یہاں تک کہ انہی درسگاہوں سے حضرت امام غزالیؒ، قاضی محب اللہ بہاریؒ، حضرت شاہ عبد العزیز دہلویؒ، قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ، حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ، حضرت مولانا ابو المحاسن سجادؒ، حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ، حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمن عثمانیؒ، حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ دہلویؒ، حضرت مولانا مفتی محمد شفیع عثمانیؒ، حضرت مولانا عبد الصمد رحمانیؒ، حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ، اور حضرت مولانا مفتی محمد ظفیر الدین مفتاحیؒ وغیرہ فقہ وافتا کی نادرۂ روزگار شخصیتیں پیدا ہوئیں، تعلیم کا مقصد حضرت علامہ مناظر احسن گیلانیؒ کے بقول دو باتوں کا پیدا کرنا ہے، (۱) طالب علم میں خود سوچنے کی صلاحیت پیدا ہو جائے، (۲) نیز دوسروں کی بات سمجھنے کی صلاحیت پیدا ہو جائے، (ہندوستان میں مسلمانوں کا نظام تعلیم وتربیت ج ۱ ص ۳۰۷) اور مروجہ نصاب سے یہ دونوں مقاصد پوری طرح حاصل ہوتے ہیں۔ فقہ

اسلامی کا نصاب-ایک جائزہ

یہ خیال درست نہیں کہ قدیم ہندوستان میں کتابوں کی دستیابی کا مسئلہ بہت اہم تھا اس لئے جو کتابیں بھی میسر ہوئیں ان کو شامل نصاب کر دیا گیا، اور اس کے ثبوت میں حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلویؒ کا ایک واقعہ پیش کیا جاتا ہے کہ جب وہ اپنی فارسی تفسیر قرآن فتح العزیز لکھ رہے تھے تو ان کو امام رازیؒ کی مشہور تفسیر کبیر تلاش بسیار کے باوجود کہیں نہ مل سکی، تو پھر بمشکل قلعۂ معلیٰ کے شاہی کتب خانہ سے چند دنوں کے لئے عاریۃً ان کو یہ کتاب مل پائی (نظام تعلیم وتربیت ج ۱ ص ۳۲) ممکن ہے

حضرت شاہ صاحب کے ساتھ ایسا کوئی واقعہ پیش آیا ہو لیکن محض اس ایک جزوی واقعہ سے ہندوستان کے بارے میں کتابی افلاس کا تصور قائم کر لینا بہت بڑی زیادتی اور تاریخ کے ساتھ ناانصافی ہوگی، اس لئے کہ خود حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلویؒ کا اپنا بیان ہے کہ میں نے جن علوم وفنون کا مطالعہ کیا ان کی تعداد ڈیڑھ سو (۱۵۰) ہے (ملفوظات عزیزیہ ص ۳۶) ظاہر ہے کہ کتابوں کے بغیر ان علوم کا حاصل کرنا ممکن نہیں تھا،

☆علاوہ ازیں خود ان کی یا اس عہد کی لکھی جانے والی کتابوں مثلاً: فتاویٰ عزیزیہ، تحفۂ اثنا عشریہ (شاہ عبد العزیز دہلویؒ) حجۃ اللہ البالغہ، ازالۃ الخفاء، الانصاف (حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ) تفسیر مظہری (حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ) عبقات (حضرت مولانا اسمٰعیل شہید دہلوی)، وغیرہ حدیث وتفسیر اور فقہ کی بنیادی کتابوں کا جائزہ لیا جائے تو وہ بے شمار حوالوں سے لبریز ہیں۔

☆عہد عالمگیری میں فتاوی ہندیہ کی ترتیب عمل میں آئی، اس کے

☆فیروز تغلق کے عہد میں فتاویٰ تاتارخانیہ مرتب ہوئی، جواب ۲۲ جلدوں میں چھپ کر آگئی ہے، اس کے مراجع اور حوالوں میں بہت سی ایسی کتابیں بھی نظر آتی ہیں جو آج دستیاب نہیں ہیں، مراجع کی بڑی لمبی فہرست ہے، جو اس کمیٹی کے زیر مطالعہ تھی،

☆قدیم گجرات کے دارالسلطنت نہر والہ میں وہاں کے مفتی اعظم علامہ قاضی حماد بن قاضی اکرمؒ کے اشارہ پر علامہ ابوالفتح رکن بن حسام المفتی الناگوریؒ نے فتاویٰ حمادیہ مرتب کی جو ایک جلد میں چھپ کر آگئی ہے، اس کے مراجع کی فہرست بھی بڑے سائز کے پورے دو صفحات سے زائد میں ہوگی،

☆اسی طرح جونپور میں فتاویٰ ابراہیم شاہیم مرتب ہوئی، جو درجنوں کتابوں کی عطر ہے۔

☆عہد عالمگیری کے مشہور عالم ومصنف قاضی محب اللہ بہاریؒ (جو صدارت مجموعۂ ممالک ہندوستان کے منصب پر فائز تھے، اور جن کے بارے میں علامہ شبلی کا بیان یہ ہے کہ ان کی دو کتابیں سلم العلوم اور مسلم الثبوت مع ان کی شروحات قاضی حمد اللہ، ملاحسن، ملامبین، شرح سلم بحر العلوم، فواتح الرحموت وغیرہ درس نظامی کے پورے نصاب تعلیم کے نصف حصہ پر دو سو سالوں تک حاوی رہی، (مقالات شبلیؒ ج) نے اپنی شہرۂ آفاق کتاب مسلم الثبوت کے آخر میں جن مراجع کی نشاندہی کی ہے، ان کو پڑھ کر کسی طرح یہ یقین نہیں کیا جاسکتا کہ ہندوستان کے اسلامی عہد میں کتابوں کی بڑی قلت تھی، خود ان ہی کے الفاظ ملاحظہ فرمائیں:

واعلم انه قد اجتمع الله بفضله لدي حين
تصنيفي لهذا الكتاب، من كتب الحنفية
كتاب البزدوي واصول السرخسي
وكشف البزدوي وكشف المنار و
البديع وشرحه الشامل والتوضيح و
التلويح والتحرير لابن الهمام و
التقرير والتيسير شرحيه ومن

☆حضرت شاہ عبدالحق محدث دہلویؒ کے صاحبزادہ شاہ نورالحق نے اپنی فارسی شرح بخاری تیسیر القاری کے دیباچہ میں جن مراجع کی نشاندہی کی ہے وہ بھی مذکورہ بالا مفروضہ کی تردید کرتا ہے، لکھتے ہیں:

"زبدہ وخلاصہ ایں چند شرح کرمانی، فتح الباری، عینی، سیوطی، شرح تراجم وقسطلانی کہ متداول علماء روزگار است (تیسیر القاری ج ا ص ۳ بحوالہ نظام تعلیم)

اس اقتباس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کتابیں عام طور پر اس دور میں علماء کے پاس دستیاب تھیں، بعض علماء کے ذاتی کتب خانوں میں اتنی

کتابیں ہوتی تھیں جو آج لائبریریوں میں میسر نہیں ہیں،

☆خود بادشاہوں کا علمی ذوق بہت بلند تھا، شہنشاہ اکبر جو نسبتاً کم تعلیم یافتہ بادشاہ تھا اس کے بارے میں تاریخ کی معتبر شہادت یہ ہے کہ بادشاہ کے علمی ذوق کے پیش نظر لوگ عرب سے اس کی خدمت میں کتابوں کا ہدیہ پیش کرتے تھے، اکبر کی شاہی لائبریری میں علامہ حمویؒ کی معجم البلدان جیسی ضخیم کتاب موجود تھی، بلکہ اس نے چند مترجمین کی خدمات حاصل کر کے اس کا فارسی ترجمہ بھی کرایا تھا، (تاریخ ملا عبد القادر ج ۳ ص ۳۷۵)

اس طرح اس کم خواندہ بادشاہ نے اکیڈمک ترجمہ وتصنف کی بنیاد رکھی، جو آج کا سب سے معروف طریقہ سمجھا جاتا ہے، اکبر نے مہابھارت اور تاریخ کشمیر کا فارسی ترجمہ بھی اسی اجتماعی طرز پر کرایا تھا، ایک تاریخ الفی کا بھی ذکر ملتا ہے جو اکبر نے متعدد مصنفین کی اجتماعی محنت سے تیار کرائی تھی، (نظام تعلیم وتربیت ص ۸۵ ج ۱)

بعد میں یہی تسلسل حضرت عالمگیر اورنگ زیبؒ کے دور میں فتاویٰ ہندیہ کی ترتیب کی صورت میں سامنے آیا، جو ملا نظام برہان پوریؒ کی سربراہی میں مرتب کیا گیا، بہر حال اس طرح کے بے شمار واقعات ہیں جو ہندوستان کے عہد اسلامی کی علمی اور کتابی سربلندی کے گواہ ہیں، حضرت گیلانیؒ نے اپنی کتاب نظام تعلیم وتربیت میں اس طرح کے بہت سے شواہد کو بڑی خوبصورتی کے ساتھ جمع کر دیا ہے،

جہاں تک تفسیر کبیر کا معاملہ ہے تو بعض تاریخی شواہد سے ظاہر ہوتا ہے کہ عہد اسلامی میں یہ تفسیر عام طور پر علماء کے پاس دستیاب تھی، اس کی ایک مثال جس کا تذکرہ غلام علی آزاد بلگرامی نے اپنی تاریخ میں کیا ہے کہ:

میر طفیل محمد آغاز شباب میں آگرہ نواب فضائل خان کے دربار میں پہونچے، نواب صاحب پڑھے لکھے آدمی تھے انہوں نے علماء کی موجودگی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ایک فقہی مسئلہ چھیڑ دیا، اور قرآن کریم کی آیت کریمہ **علی الذین یطیقونہ** کے تعلق سے استفسار کیا، اس موقعہ پر تحقیق مسئلہ کے لئے جن کتابوں کی طرف مراجعت کی گئی، ان میں صحاح، جوہری، قاموس، کشاف، بیضاوی کے ساتھ امام رازی کی تفسیر کبیر بھی تھی (مآثر الکرام ص ۱۵۱)

بہار میں کاغذ کی صنعت

☆کتابوں کی اشاعت کے لئے اس ملک میں باقاعدہ کاغذ سازی کے کارخانے قائم کئے گئے، اور اس معاملے میں بہار کو خصوصیت حاصل رہی، ابو الفضل نے آئین اکبری میں ہندوستان کے ہر صوبہ کی صنعتوں اور پیداواروں کا تذکرہ کیا لیکن کاغذ کی صنعت کے لئے صرف بہار کا نام لیا ہے، اس کے الفاظ ہیں:

در سرکار بہار نزدیک موضع راج گیر کان سنگ مرمر ست، از وزیور ہا برسازند و کاغذ خوب می شود"

سیر المتاخرین کے مصنف نے بھی اسی کے حوالہ سے بہار اور اروِل (ضلع گیا) کا ذکر کیا ہے جن کا دور ابو الفضل کے دو سو سال بعد ہے،

(سیر المتاخرین ص۱۹)

مولوی مقبول احمد صمدانی نے میر عبد الجلیل بلگرامی کی سوانح "حیات جلیل "میں سرکاری گزیٹر کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ ۱۷۰۳ء میں انگریزی کتابیں پٹنہ کے کاغذ پر چھاپی جاتی تھیں (حیات جلیل ص۱۴۹)۔۔۔۔

بہار شریف میں ایک محلہ ہی کاغذی محلہ کے نام سے مشہور ہے، غالباً اس محلہ میں کاغذ کے کارخانے بڑی تعداد میں رہے ہونگے، ان تاریخی بیانات سے ثابت ہوتا ہے کہ عہد اسلامی تاعہد انگریزی خاصے طویل عرصہ تک علم اور کتابوں کی اشاعت کے معاملے میں بہار کا ایک زریں دور رہا ہے جو آج کی موجودہ صورت حال میں ایک افسانہ معلوم ہوتا ہے۔

ان تفصیلات سے میری غرض یہ ہے کہ مدارس اسلامیہ میں صدیوں سے رائج فقہ واصول فقہ کے نصاب کو اسلامی ہندوستان کی کتابی کمیابی کا نتیجہ ہر گز نہ سمجھا جائے، بلکہ صدیوں کے تاریخی تسلسل اور ہر دور کے اساطین امت کے اتفاقات نے یہ ثابت کیا ہے کہ فقہ اسلامی کی تدریس کے لئے اسلامی موجود لائبریری میں ان سے بہتر کتابیں موجود نہیں ہیں،۔۔۔۔ نیز اس انتخاب میں اس بات کا بھی لحاظ رکھا گیا ہے کہ کتابیں انتہائی مستند، ثقہ، اور متقی علماء کی رکھی جائیں، کہ اللہ والوں کی کتابیں پڑھنے سے علم کے ساتھ نور اور دین حاصل ہوتا ہے، اور علم پر عمل کی قوت حاصل ہوتی ہے،

فقہی نصاب کے دو حصے – تحلیل و تجزیہ

دراصل اس نصاب کے دو حصے ہیں، (۱) درجۂ ضرورت (۲) اور درجۂ فضیلت،

(۱) درجۂ ضرورت میں فقہ کے لئے ابتداءً قدوری اور مجمع البحرین داخل نصاب تھیں، اس کا تذکرہ میر خوردؒ نے سیر المتاخرین میں حضرت سلطان المشائخ خواجہ نظام الدین اولیاء کے عہد کے نصاب تعلیم کے ضمن میں کیا ہے، (سیر المتاخرین ص۲۸۹)

قدوری تو آج بھی داخل نصاب ہے اور امام ابو الحسین ابن ابی بکر القدوری البغدادیؒ (م۴۲۸ھ) کی مشہور و مستند فقہی متن متین ہے، جس میں بیسیوں کتابوں سے بارہ ہزار (۱۲۰۰۰) منتخب مسائل کا انتہائی قابل اعتماد مجموعہ ہے، جو تقریباً ایک ہزار سال سے فقہی درس و تدریس کا محور ہے، البتہ مجمع البحرین جسے علامہ ابن الساعاتیؒ نے قدوری اور النسفی کے فقہی منظومہ کو سامنے رکھ کر مرتب کیا تھا، اب افسانۂ ماضی بن چکی ہے، اس کے مضامین کے موازنہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ شرح وقایہ کے پایہ کی کتاب تھی، غالباً اسی لئے بعد میں اس کی جگہ شرح وقایہ نے لے لی، شرح وقایہ کب داخل درس ہوئی اس کا صحیح اندازہ تو نہیں ہے، البتہ ملا عبد القادرؒ نے شیخ احمد فیاض انبیٹھوی کے تذکرہ کے ضمن میں شرح وقایہ کو داخل درس کتابوں میں شمار کیا ہے، (ص۸۴)

بعد کے کسی دور میں جس کی صحیح تاریخ کا اندازہ نہیں ہے، درجۂ ضرورت کے فقہی نصاب میں نور الایضاح اور مالابد منہ کو شامل نصاب کیا گیا، مالابد منہ قاضی ثناء اللہ صاحب نے اس وقت لکھی جب فارسی زبان کو ہندوستان میں کافی شیوع حاصل ہو گیا تھا، اور نصاب میں

عربیت کا لزوم کمزور پڑنے لگا تھا، تو بالکل ابتدائی درجات کے طلبہ کے لئے ایک مجموعۂ مسائل انہوں نے مرتب کیا، ہندوستان کے عہد فارسی میں یہ کتاب مطالعہ سے بھی سمجھی جاسکتی تھی، اس طرح یہ گویا طلبہ کے لئے نوٹس بک تیار کیا گیا،

نورالایضاح کا بھی تقریباً یہی طرز ہے، بلکہ کہنا چاہئے کہ شاید قاضی صاحب کے پیش نظر یہی کتاب ہو، نورالایضاح کی ترتیب اور زبان بہت خوبصورت ہے، بہت کم عربی جاننے والے حضرات بھی اس سے استفادہ کرسکتے ہیں، اسی لئے علماء درس نے اس کتاب پر کافی توجہ دی، اور اس کی بہت سی شروحات لکھیں، ہماری درسی کتابوں میں موضوعات خمسہ پر یہ بہترین مجموعۂ مسائل ہے۔

ہمارے بزرگوں نے طلبہ کی ذہنی سطح کا لحاظ کرتے ہوئے، پہلی ابتدائی جماعت میں مالابدمنہ کو داخل درس کیا، تاکہ مسائل کا ضروری استحضار اور فقہ سے ضروری مناسبت پیدا ہوجائے، اس کے بعد دوسرے سال میں نورالایضاح داخل کی گئی، تاکہ سابقہ استحضار اور مناسبت کی مدد سے عربی زبان کی ابتدائی اجنبیت ہضم ہوسکے، اور مسائل کو براہ راست عربی میں سمجھنے کی طلبہ میں عادت پڑے، اسی لئے ان دونوں کتابوں کی تدریس میں فنی اور تفصیلی مباحث سے گریز کرتے ہوئے نفس مسائل کی تفہیم اور زندگی سے ان کی تطبیق پر توجہ دینی چاہئے، اختلافات ائمہ سے بھی تعرض نہ کیا جائے اور کوشش کرنی چاہئے کہ طالب علم ہر مسئلہ کو اس طرح محفوظ کرے جیسے یہ نصاب کی کتاب نہیں بلکہ اس کی زندگی کا نظام العمل ہو، جب ہی جاکر ان دونوں کتابوں کے مضامین پر طلبہ کو قابو حاصل ہوپائے گا، ان میں مسائل کے حفظ واستحضار پر بھی یکگونہ توجہ دینے کی ضرورت ہے،

دوسالوں کی ذہنی ریاضت کے بعد طالب علم کے سامنے قدوری جیسی فنی کتاب رکھی جاتی ہے، اس کتاب کو محض مجموعۂ مسائل کے بجائے فنی حیثیت سے پڑھانے کی ضرورت ہے، بہت زیادہ تفصیل سے بچتے ہوئے فقہ اسلامی کی فنی اہمیت بھی ذہن نشیں کرانا چاہئے، اس دور میں اختلافات ائمہ سے بھی معمولی تعرض کی گنجائش ہے، یعنی طالب علم محسوس کرے کہ فقہ صرف قوانین کا مجموعہ نہیں بلکہ اس میں تطبیق وتحلیل کی بھی پوری صلاحیت ہے، اور اس کے پیچھے بڑے عظیم لوگوں کی ذہنی صلاحتیں صرف ہوئی ہیں، اور یہیں سے اجتہاد اور قیاس کی ضرورت اور اختلافات فقہاء کی توجیہ طالب علم کو سمجھ میں آئے گی، اور وہ محسوس کرے گا کہ فقہ اسلامی کسی جامد قانون کا نام نہیں بلکہ یہ تغیر پذیر حالات کا بھی سامنا کرسکتا ہے، اگر یہ مجرد جامد قانون ہوتا تو فقہاء کے لئے مجال کلام نہ ہوتا۔۔۔۔۔ اس طرح قدوری کی تکمیل تک طالب علم کی ذہنی صلاحیت میں کافی جلا پیدا ہوجائے گی،

اب اس کے بعد شرح وقایہ پڑھتے ہوئے نسبتاً اس کی تفصیل طالب علم کے سامنے آجائے گی، اور مسائل کی تشریح اور بھی زیادہ بصیرت کے ساتھ ہوسکے گی، اس طرح شرح وقایہ کا سال ختم ہونے پر طالب علم میں ضروری حد تک فقہی صلاحیت پیدا ہوجاتی ہے، اور مختلف جزئیات وفروع میں توجیہ وتطبیق بڑی حد تک سمجھنے لگتا ہے،

فقہ کا نصاب فضیلت

یہ درجہ ضرورت کا نصاب فقہ ہے، اس کے بعد درجۂ فضیلت شروع ہوتا ہے، جس کو منتہی درجات بھی کہہ سکتے ہیں، درجۂ فضیلت میں بنیادی کتابیں دو ہیں، کنز الدقائق اور ہدایہ، تاریخ وسیر کی کتابوں میں بھی ان کا ذکر ملتا ہے، مثلاً میر خوردؒ نے مولانا قاسم کی لطائف التفاسیر کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے مولانا جمال الدین دہلوی سے دیگر فنون کی کتابوں کے ساتھ ہدایہ کا درس لیا (سیر الاولیاء ص ۲۰۷)

نزہۃ الخواطر میں ایک سندھی عالم مولانا جلال الدین کی تدریسی کتابوں میں ہدایہ کا خاص طور پر ذکر کیا گیا ہے، (ص ۲۵۰)

کنز الدقائق کا ذکر بھی نزہۃ الخواطر میں موجود ہے، محمد تغلق ہی کے عہد سے یہ کتاب داخل درس تھی، اس دور کے مشہور عالم مولانا معین الدین عمرانیؒ نے باقاعدہ اس کی شرح لکھی تھی، یہ اس بات کی دلیل ہے کہ علماء اور طلبہ اس کتاب کے درس وتدریس سے کافی دلچسپی رکھتے تھے، (ص ۱۶۵)

ملا عبد القادر بدایونی نے بھی اپنی درسی کتابوں میں کنز کا تذکرہ کیا ہے کہ انہوں نے یہ کتاب میاں حاتم سنبھلیؒ سے پڑھی، (ص ۲۰ ج ۳)

کنز متن اور اختصار کا نقطۂ ارتقاء ہے تو ہدایہ فکر وفن کی معراج، کنز کو مسائل کے سمیٹنے، مفتی بہ اور معمول بہ مسائل کے احاطہ اور خالص علمی پیرایۂ بیان میں امتیاز حاصل ہے، اور جس طرح وہ اختصار کے باوجود فنی لطافتوں سے لبریز ہے کہ مبتدی یا متوسط طلبہ کے لئے اس سے پوری طرح لطف اندوز ہونا آسان نہیں ہے، اس لئے کنز کے مدرس کے لئے ضروری ہے کہ اس کی معروف عربی شروحات مثلاً تبیین الحقائق وغیرہ کو اپنے پیش نظر رکھے، اور ہر مسئلہ کی تفصیلات سے پہلے خود واقف ہو پھر ایک سہل اور قابل ہضم اسلوب میں طلبہ کے سامنے پیش کرے،

آخری کتاب ہدایہ ہے، اس میں مسائل بھی ہیں اور استدلال بھی، توفیق وتطبیق بھی ہے اور ترجیح بھی، ہر مسئلہ کو دلائل نقلیہ کی روشنی میں بھی پیش کیا گیا ہے اور عقل وفکر کی میزان پر بھی پرکھا گیا ہے، فقہاء کے اختلافات کا بھی ذکر ہے، اور منشأ اختلاف کا بھی بیان ہے، موازنہ بھی ہے اور محاکمہ بھی، اصول وکلیات سے بھی اخذ واستفادہ کیا گیا ہے اور شریعت کے مزاج ومذاق سے بھی، اور اہم بات یہ ہے کہ عبارت محاوراتی، جامع اور سہل ممتنع کا شاندار نمونہ ہے، کتاب کے مباحث سے اندازہ ہوتا ہے کہ صاحب کتاب محدث بھی تھے اور فقیہ بھی، مذہب کے اصولوں سے بھی واقف تھے اور احوال زمانہ سے بھی، ہدایہ کے یہی وہ امتیازات ہیں جن کی بنا پر یہ پورے آٹھ سو سالوں سے داخل درس اور محور تحقیق وتشریح ہے۔

اس کتاب کی تدریس کے لئے فقہی بصیرت اور مآخذ استدلال سے آگہی کی ضرورت ہے، محض رسمی شروحات کی مدد سے اس کتاب کا حق ادا نہیں ہو سکتا، اس لئے کہ فقہی مسائل کی بنا پر اگر یہ ایک فقہی کتاب ہے تو احادیث وآثار کے بے پناہ حوالوں نے اسے کتاب حدیث بھی بنا دیا ہے، اور عقلی استدلالات کی بنا پر یہ معقولی کتاب بھی ہے، اختلافات فقہاء کے تذکرہ کی بنا پر یہ ادب الخلاف کی کتاب بھی ہے، اور موازنہ ومحاکمہ کی بنا پر یہ مناظرہ کی بھی کتاب ہے، اور سب سے اہم بات ہر مسئلہ میں صاحب کتاب کے موقف تک رسائی کا ہے، ان کا طرز استدلال اور دلائل کی ترتیب اس پر غمازی کرتی ہے کہ صاحب کتاب کے نزدیک کون سی رائے زیادہ قابل ترجیح ہے؟ ہر جگہ اپنے نقطۂ نظر کی یہ صراحت نہیں کرتے، بلکہ استدلال کی نبض پکڑ کر مسئلہ کی روح تک پہونچنا پڑتا ہے،۔۔۔۔ اس لئے اس کتاب کے مدرس کے لئے جامع العلوم ہونا ضروری ہے،

اس مناسبت سے اس واقعہ کا ذکر فائدہ سے خالی نہیں ہوگا کہ حضرت نظام الدین اولیاء کے حلقۂ ارادت میں ایک نامور شخصیت مولانا

فخر الدین زر اویؒ کی تھی، جو مختلف علوم وفنون میں ید طولیٰ رکھتے تھے، خانقاہ نظامیہ کے بازو میں انہوں نے ایک چھوٹا سامدرسہ بھی قائم کر رکھا تھا، جس میں ان کے علاوہ بعض دیگر علماء بھی مصروف درس وتدریس رہتے تھے، ہدایہ کا درس ان کا کافی مشہور تھا ایک دن وہ ہدایہ کا درس دے رہے تھے کہ اسی اثنا ایک معروف علمی شخصیت مولانا کمال الدین سامانیؒ (غالباً شافعی المذہب تھے) حلقۂ درس میں آکر بیٹھ گئے، ان کے آتے ہی علامہ زر اویؒ کا طریقۂ درس تبدیل ہو گیا، اور انہوں نے ہدایہ میں مذکور احادیث سے استدلال کرنے کے بجائے صحیحین کی احادیث سے استدلال شروع کر دیا، جبکہ اس کے لئے انہوں نے پہلے سے تیاری نہیں کی تھی، (سیر الاولیاء ص ۹۳)

اسی لئے میرا خیال یہ ہے، کہ ہدایہ کا سبق انتہائی صاحب علم اور جامع شخصیات کے حوالہ کیا جانا چاہئے، ہدایہ کے سبق میں حل عبارت کے بعد سب سے پہلے تصویر مسئلہ رکھنی چاہئے، اس کے بعد آراء فقہاء، پھر ہر ایک کی دلیلیں واضح لب ولہجہ میں پیش کی جائیں، پھر مسلک راجح پر وجوہ ترجیح کے ساتھ روشنی ڈالی جائے، قول مفتیٰ بہ کیا ہے، وہ بھی بتایا جائے، صاحب ہدایہ کا اپنا رجحان کیا ہے، عبارت کے بین السطور سے اس کا تعین بھی کیا جائے، دوسرے مذاہب کے اقوال نقل کرنے میں صاحب ہدایہ سے کہیں کہیں تسامح ہوا ہے، اس کی اصل مراجع سے تصحیح کی جائے، وغیرہ۔

کتب اصول فقہ

رہ گئیں اصول فقہ کی کتابیں تو مبتدی طلبہ کو اصول فقہ کی چنداں ضرورت نہیں ہے، اس لئے کہ اصول فقہ دراصل اجتہاد واستنباط اور طریقۂ استدلال سمجھنے کی کوشش ہے، جس کا وہ تحمل نہیں کر سکتے، البتہ دو تین سالوں کی فقہی ممارست کے بعد جب طالب علم کو مسائل کا بڑی حد تک استحضار ہو جاتا ہے، تو پھر فقہاء کے طریقۂ استدلال اور اصول وکلیات کے فہم کی اس میں صلاحیت پیدا ہو جاتی ہے، اصول فقہ کے نصاب کو بھی ہم دو حصوں میں تقسیم کر سکتے ہیں، درجۂ ضرورت اور درجۂ فضیلت،۔۔۔ درجۂ ضرورت میں اصول الشاشی ہے اور درجۂ فضیلت میں نور الانوار اور حسامی ہے، موجودہ نصاب میں حسامی آخری کتاب مانی جاتی ہے، لیکن ہندوستان کے اسلامی دور میں چند اور کتابوں کا بھی تذکرہ ملتا ہے، مثلاً ساتویں اور آٹھویں صدی کے دوران دہلی کی نصابی کتابوں میں علامہ نسفیؒ کی المنار بھی شامل درس تھی، جس کی شرح نور الانوار آج داخل درس ہے، اس دور میں المنار کی شرح کے طور پر افاضۃ الانوار کا ذکر ملتا ہے، جو مولانا سعد الدین محمود بن محمد کی تالیف ہے (نظام تعلیم وتربیت ج ا ص ۱۴۱) ملاعبد القادر بدایونیؒ کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستان میں عہد اکبری سے پہلے اصول فقہ میں حسامی کی شرح غایۃ التحقیق بھی داخل درس تھی، خود ملا عبد القادر نے بھی یہ کتاب شیخ عبد اللہ بدایونیؒ سے پڑھی تھی، (ص ۵۶)

اسی طرح ہندوستان کی ابتدائی تعلیم کے عہد میں علامہ فخر الاسلام علی ابو الحسن بزدویؒ کی اصول بزدوی کا ذکر بھی کافی ملتا ہے، اس دور میں یہ اصول فقہ کی آخری کتاب کے طور پر متعارف تھی، (سیر الاولیاء ص ۲۰۷، نزہۃ الخواطر ص ۲۵۰)

اس کتاب کی عبارت کافی مشکل اور پیچیدہ ہے، اور بقول علامہ گیلانیؒ اس کو سمجھنا لوہے کا چنا چبانے کے برابر ہے

(نظام تعلیم وتربیت ص ۳۰۷ ج ا)

کہتے ہیں کہ علامہ بزدویؒ نے منتہی طلبہ کی ذہنی آزمائش کے لئے بالقصد اتنا مشکل اسلوب اختیار کیا تھا، اسی لئے وہ اپنی مشکل پسندی کی وجہ سے ابو العسر کے نام سے جانے جاتے تھے، جبکہ انہی کے مشورہ سے ان کے چھوٹے بھائی محمد نے اصول فقہ اور دیگر فنون میں آسان لب ولہجہ میں کتابیں لکھیں تو وہ ابو الیسر کے نام سے مشہور ہوئے، (مفتاح السعادۃ طاش کبریٰ زادہؒ ج ۲ ص ۵۵)

اس کتاب نے بڑے بڑے اصحاب علم کے دل ودماغ کو ہلا دیا تھا، دیکھئے بحر العلوم حضرت مولانا عبد العلیٰؒ اس کا تذکرہ کرتے ہوئے کتنے

مرعوب نظر آتے ہیں؟شرح مسلم الثبوت کے دیباچہ میں رقمطراز ہیں:

وتلك العبارات كأنها صخور مركوزة فيها الجواهر وأوراق مستورة فيها الزواهر تحيرت أصحاب الأذهان الثاقبة في أخذ معانيها وقنع الغائصون في بحارهابالأصداف عن لآليها ولا أستحيى من الحق وأقول قول الصدق أن جل كلامه العظيم لا يقدر على حله إلا من نال فضله تعالى الجسيم وأتى الله وله قلب سليم (فواتح الرحموت ص۵)

ترجمہ: ان کی عبارتوں کی مثال ایسی ہے جیسے چٹانوں میں کسی نے جواہر جڑ دیئے ہوں، یا ایسے پتے ہیں جن میں پھول چھپے ہوئے ہیں، ذہن وذکاوت ان عبارتوں سے معانی حاصل کرنے میں متحیر ہیں، اور ان دریاؤں میں غوطہ زنی کرنے والے بجائے موتی کے صرف سیپوں پر قناعت کر رہے ہیں، میں اظہار حق میں شرماتا نہیں، میں سچ کہتاہوں، ان کے کلام کا اکثر حصہ وہی شخص حل کر سکتاہے جس نے فضل الٰہی سے حصہ پایاہو اور قلب سلیم رکھتاہو۔

بعد کے ادوار میں غالباً اسی لئے اس کتاب کو شامل درس نہیں رکھا یا کہ اس کے فہم کا تحمل کرنے والے لوگ عام طور پر موجود نہیں رہے، بہر حال آج کے دور میں یہ تین کتابیں بھی بساغنیمت ہیں، اور ان کی مدد سے طلبہ میں اصول فقہ کی ضروری اسپرٹ پیدا کی جاسکتی ہے، اصول الشاشی اس کی خشت اول ہے، اور تدریس کے نقطۂ نظر سے انتہائی اہم کتاب ہے، اس کتاب کے ذریعہ بنیادی اصولوں کی تعریفات، ان کے احکام اور ان کی مثالیں بآسانی طلبہ کو ذہن نشیں کرائی جاسکتی ہیں، اس کتاب کے درس میں تفصیل واطناب سے ہر ممکن اجتناب کرنا چاہئے، اور عبارت کے دائرے میں رہتے ہوئے، اصول واصطلاحات، ان کے احکام، مثالوں کے ضمن میں دیئے گئے مسائل، اور اصولوں کے ساتھ ان کی تطبیق دل ودماغ میں اتارنی چاہئے ۔۔۔۔۔۔ نورالانوار میں تفصیلی مباحث ہیں، اور عبارات میں اطناب بھی ہے، اس لئے یہ تو میں نہیں کہتا کہ عبارت کو بالکلیہ نظر انداز کر دیا جائے، البتہ تفہیم مسئلہ میں عبارت کی پابندی کو لازم نہ سمجھا جائے، کیونکہ طالب علم کی ذہنی سطح اب عبارتوں کے پیچ وخم میں الجھنے سے بالاتر ہو کر اب نفس فن کی تفہیم کی متقاضی ہوتی ہے، ہمارے مدرسین بڑی غلطی کرتے ہیں جو ہر کتاب کو ایک ہی طرز بیان سے پڑھانے کے عادی ہوتے ہیں، اسی کا نتیجہ ہے کہ نورالانوار اکثر مدارس میں مکمل نہیں ہو پاتی۔۔۔۔

اس فن کی آخری نصابی کتاب حسامی ہے، جو فلسفۂ اصول فقہ کی کتاب ہے، یہاں اختصار بھی بہت ہے، قیود وشرائط کی بھی کمی نہیں ہے، مصنف بہت سے اعتراضات اور سوالات کا خاموش جواب دیتے ہوئے گذرتے ہیں، اگر طالب علم کے ذہن میں گذشتہ کتابوں کی روشنی میں اصول واصطلاحات اور ان کی نزاکتیں مستحضر نہ ہوں، تو یہ کتاب اس کے لئے ایک معمہ بن کر رہ جائے گی، اس لئے اس کتاب کا ہر زیر وزبر فکر ونگاہ کو دعوت دیتاہے، کہ 'جاایں جاست'' اس کتاب میں فن اپنے عروج پر پہنچ جاتاہے اور اگر طالب علم صاحب فہم ہو تو اس کو کافی فائدہ پہونچتاہے، منتہی طلبہ اگر توجہ دے کر اس کتاب کے بنیادی حصوں کو ذہن نشیں کرلیں تو اس فن میں دوسری کسی کتاب کی حاجت باقی نہ رہے گی،

طلبہ میں بحث ومطالعہ کو فروغ دیا جائے

ایک عام بات جس کی طرف توجہ دلانا ضروری سمجھتاہوں کہ مدرسین کو چاہئے کہ وہ طلبہ کی سماعت پر اکتفانہ کریں بلکہ ان کو مطالعہ کی ترغیب دیں، ان کی زبان کھلوائیں، سوال وجواب اور بحث ومباحثہ کی عادت ڈالیں، کسی ذہین طالب علم کے سوالات سے ناخوش نہ ہوں، ہماری تعلیمی تاریخ کی سربلندی، اور طلبہ کی ذہنی تعمیر وتربیت اسی بحث وتحقیق کے ساتھ وابستہ ہے، میں اس کی ایک دو مثال پیش کرتاہوں:

☆ایک قصہ مولانا غلام علی آزاد بلگرامی نے مآثر الکرام میں نقل کیا ہے، جناب سید میر اسمعیل بلگرامیؒ ملا عبد الحکیم سیالکوٹیؒ کے حلقۂ درس میں داخل ہوئے، شروع میں ان کو مستقل وقت نہ مل سکا تھا، بلکہ دوسرے ساتھی کے ساتھ سماعت کرتے تھے، اسی لئے سوالات نہیں کرتے تھے، استاذ کو طالب علم کی خاموشی گراں گذری، کہ عام روش طلبہ کے سوالات کی تھی، استاذ نے خاموشی کی وجہ دریافت کی تو انہوں نے عرض کیا کہ: آپ نے درس کی سماعت کی اجازت دی تھی اس لئے میں نے سماعت پر قناعت کیا، آپ سے درخواست ہے کہ مجھے کوئی الگ سے وقت دے دیا جائے، چناچہ عصر کے بعد کا وقت ان کو دے دیا گیا، پہلے ہی دن جو بحث و تمحیص شروع ہوئی تو تین دن گذر گئے اور ایک سطر سے آگے سبق نہ بڑھ سکا، تنگ آکر استاذ نے فرمایا، آخر تم بتاؤ کہ اس عبارت کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟ شاگرد نے اپنی ہی لکھی ہوئی تحریر نام ظاہر کئے بغیر استاذ کے سامنے پیش کی، استاذ نے دیکھا تو پسند فرمایا اور فرمایا گو عبارت میں اطناب ہے لیکن مطلب درست ہے، (مآثر الکرام ص ۲۳۴)

اس طرح طلبہ پہلے سبق کی تیاری کر کے آتے تھے تو استاذ کی تقریر کی اہمیت محسوس ہوتی تھی، سبق تیزی سے آگے بڑھتا تھا، وقت میں برکت ہوتی تھی، اور اچھے علماء وفضلاء تیار ہوتے تھے۔

حضرت قاری عبد الرحمن پانی پتیؒ کے تذکرہ میں خود ان کی زبانی نقل کیا گیا ہے کہ:

"بچپن کا زمانہ تھا، عربی کی ابتدائی کتابیں والد سے پڑھتے تھے، ایک دن مطالعہ اچھی طرح نہیں کیا تھا، اس پر والد صاحب نے سبق نہیں پڑھایا، مجھے اتنا غم ہوا کہ رات کا کھانا نہیں کھایا (تذکرۂ رحمانیہ ص ۲۹)

حضرت مولانا انوار اللہ خان حیدر آبادیؒ کی سوانح حیات مطلع الانوار کے نام سے شائع ہوئی ہے، اس میں ان کے مطالعہ اور سبق کی تیاری کی کیفیت جب وہ فرنگی محل میں پڑھتے تھے، خود انہی کے لفظوں میں اس طرح نقل کی گئی ہے:

"ہم کوشش کرتے تھے کہ مضمون کسی صورت سے مطالعہ میں حل ہو جائے، طریقہ یہ تھا کہ پہلے عبارت اور ترجمہ کی جانب توجہ کی جاتی تھی، جو نئے الفاظ آتے تھے ان کو لغت کی مدد سے حل کیا جاتا، پھر مطلب کو سمجھنے کی کوشش کی جاتی، اگر ایک دفعہ مطلب حل نہ ہوتا تو دوبارہ سہ بارہ سعی کی جاتی، اگر کوئی اتنا ہی مشکل مضمون ہوتا جو سعی پیہم کے باوجود سمجھ میں نہ آتا، تو دل میں ایک خلش رہتی، جب استاذ (مولانا عبد الحی فرنگی محلیؒ) کے سامنے سبق شروع ہوتا تو بجز شبہات کے جو مطالعہ میں حل نہ ہو سکے ہوں اور کوئی بات دریافت طلب نہ رہتی، یہی وجہ تھی کہ روزانہ کئی صفحہ درس ہوتا تھا۔۔۔جب استاذ سے مطلب معلوم ہوتا تو فرط مسرت سے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ کہیں بیش قیمت خزانہ مل گیا (مطلع الانوار ص ۱۰)

خود میں نے حضرت الاستاذ مولانا اعجاز احمد اعظمیؒ سے مدرسہ دینیہ غازی پور میں منطق کی مشہور کتاب قطبی اسی طرح پڑھی ہے، مولانا نے فرما رکھا تھا کہ سبق خود حل کر کے آنا ہے، اور جہاں شبہات ہوں صرف وہی مقام حل کرنا ہے، اس طرح مولانا کے سامنے میں نے قطبی کی صرف عبارت خوانی کی ہے، اور چند مقامات کو چھوڑ کر کہیں بھی ٹھہر کر حل کرنے کی نوبت نہیں آئی، اس طرح صرف ایک ماہ میں اس کتاب سے میں

فارغ ہو گیا، جب کہ حضرت الاستاذ نے مجھے عشا کی نماز سے قبل صرف آدھ گھنٹہ کا وقت دیا تھا، اس قصہ کی پوری تفصیل میں نے حضرت مولاناؒ پر اپنے مضمون "ملنے کے نہیں نایاب ہیں ہم" میں ذکر کی ہے،

علامہ ابن خلدونؒ نے ساتویں اور آٹھویں صدی میں مغربی اسلامی ممالک (یعنی اندلس، مراکش وغیرہ) کے تعلیمی انحطاط کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

"یہاں کے طلبہ اساتذہ سے سوال جواب کرنے کے عادی نہیں ہیں، برسوں گذر جاتے ہیں اور ان کی زبانوں کا مہر سکوت نہیں ٹوٹتا، اس سے ان کی ذہنی صلاحیتیں مر جاتی ہیں، اس کے برعکس مشرقی ممالک کے طلبہ ذہین ہوتے ہیں، اہل مغرب کے مقابلے میں ان کی عقلیں کامل ہوتی ہیں، اور وہ بحث و تحقیق اور گفتگو کا بہتر سلیقہ رکھتے ہیں، یہ دونوں علاقوں کے طلبہ میں بین فرق محسوس ہوتا ہے (مقدمۂ ابن خلدون ص ۳۶۱)

(۲)

فقہ اسلامی کو قانونی زبان میں ایک زندہ فن کے طور پر پڑھانے کی ضرورت

یہاں میں اہمیت کے ساتھ اس پہلو کی طرف خاص توجہ دلانا چاہتا ہوں، جو اکثر ہماری عنایات سے محروم ہے، ہم فقہ اور اصول فقہ کی تدریس میں روایتی انداز سے اوپر اٹھنے کو تیار نہیں ہیں، ہم نے فقہ کو بھی دیگر فنون کی طرح ایک روایتی فن بنا دیا ہے، ہمیں اس سے اوپر اٹھ کر اس کو ایک زندہ فن کے طور پر پڑھانے کی کوشش کرنی چاہئے، یہ فن نہیں قانون حیات ہے، زندگی سے اس کا اٹوٹ رشتہ ہے، اس لئے دیگر قوانین کی فنی ترتیب کو پیش نظر رکھتے ہوئے کم از کم منتہی درجات کے طلبہ کے سامنے فقہ اسلامی کی تشریح کی جانی چاہئے، فقہ کو قانون اور زندگی کے نظام العمل کے طور پر سمجھایا جائے، طلبہ کے ذہنوں میں اس تصور کو فروغ دیا جائے کہ یہ واحد قانون ہے جو بلا امتیاز رنگ و نسل اور بلا تفریق مذہب وملت ساری دنیا کی سربراہی کر سکتا ہے، اس کے لئے فقہ اسلامی کی نئی قانونی تعبیرات و تشریحات سے خود کو مانوس کرنا ہوا، اس سلسلے کی کتابوں کا مطالعہ کرنا ہو گا، پھر ایک زندہ فن کے طور فقہ واصول فقہ کی تدریس عمل میں آئے گی انشاء اللہ، حقیر راقم الحروف کی کتاب "قوانین عالم میں اسلامی قانون کا امتیاز" اس سلسلے میں بہتر رہنما ہو سکتی ہے،

اگر آپ اس اعتبار سے فقہ اسلامی کی تعبیر و تشریح کرنے پر آمادہ ہوں، تو اس کے لئے میرے خیال میں درج ذیل نکات کو ملحوظ نظر رکھنا ہو گا:

اسلامی قانون کے بنیادی اجزاء-جدید اصطلاحات کے مطابق

انسانی حاجات اور مصالح پر نگاہ ڈالی جائے تو فقہ اسلامی کو بنیادی طور پر تین حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ (

۱) بندہ اور خدا کا رشتہ (۲) فرد اور جماعت کا رشتہ (۳) ملکوں اور ریاستوں کے بین الاقوامی تعلقات اسلامی قانون ان تینوں

شعبوں کو محیط ہے، البتہ انسانی قانون کی طرح یہاں ہر شعبہ کو الگ الگ خانوں میں تقسیم نہیں کیا گیا ہے، بلکہ ایک ہی قاضی کے سامنے ہر طرح کے مقدمات آسکتے ہیں، اور ایک ہی نشست میں مختلف النوع مقدمات کے فیصلے وہ صادر کر سکتا ہے۔

مگر انسانی حاجات، تعلقات، اور مصالح کے لحاظ سے اگر ہم قانون اسلامی کا تجزیہ کریں تو اس کو ہم آٹھ حصوں میں تقسیم کر سکتے ہیں، اور یہ آٹھوں حصے حیات انسانی کے تمام پہلوؤں کو محیط ہیں۔

(۱) فقہ الأسرۃ (عائلی قوانین)

اس ذیل میں نکاح، طلاق، رضاع، حضانت، نفقات، حجر، وصیت، میراث، اور ولایت کے مسائل آتے ہیں، فقہاء نے ان موضوعات کے احکام مستقل ابواب میں بیان فرمائے ہیں، آج کی قانونی اصطلاح میں ان مسائل کو (احوال شخصیہ) پرسنل لاء کا نام دیا جاتا ہے۔

(۲) مالی معاملات

مالی معاملات افراد کے درمیان ہوں یا جماعتوں کے درمیان، اور تمدنی نوعیت کے ہوں یا تجارتی نوعیت کے، سب اس میں داخل ہیں، فقہاء نے ان سے متعلق مسائل کتاب البیوع میں باب الربا، سلم، قرض، رہن، کفالت، وکالۃ، اجارۃ، صرف، مزارعۃ، غصب، صلح، حوالہ، ودیعۃ، شفعۃ، عاریۃ، ہبہ، شرکۃ، مضاربۃ، اور تفلیس وغیرہ کے مختلف ابواب میں بیان فرمائے ہیں، علاوہ ازیں فقہاء نے اپنے دور کے بہت سے تمدنی، تجارتی، اور مشارکت کی صورتوں کے احکام ذکر کرنے کے بعد "عرف" کا ایک ضابطہ مقرر فرمادیا ہے، اور بعض اصولی نوعیت کے قواعد عامہ بیان کر دیئے ہیں، جن کی روشنی میں ہر دور کے جدید معاملات ومسائل کی تطبیق ہو سکتی ہے۔

(۳) تمدنی مرافعات (سِول قوانین)

سِول قوانین سے مراد وہ مجموعۂ قوانین ہے جس میں عائلی مسائل، یا معاملات کے احکام وغیرہ کی تنفیذ کے لیے اگر عدالتی کاروائی کی ضرورت ہو، تو مقدمہ کی پیشی سے لے کر کارروائی اور فیصلہ تک کے جملہ مسائل بیان کئے گئے ہیں، ان مسائل کو فقہاء نے کتاب الدعویٰ، کتاب القضاء، کتاب الشہادۃ، اور کتاب الاقرار، کے تحت بیان کیا ہے، بعض علماء نے ان مسائل پر مستقل کتابیں لکھی ہیں، مثلاً معین الحکام، لسان الحکام، تبصرۃ الحکام، اور الطرق الحکمیۃ، وغیرہ ان کتابوں میں اسلام کے عدالتی نظام کو واضح کیا گیا ہے، عدالتوں میں مقدمات کی پیشی کس طرح ہوگی؟ اظہار دعویٰ کیسے ہوگا؟ دعویٰ کب صحیح مانا جائے گا اور کب نہیں؟ (مثلاً اگر قاضی کے روبرو دعویٰ پیش کیا جائے تو دعویٰ صحیح ہوگا اور اگر اس کے روبرو پیش نہ ہو تو دعویٰ صحیح نہ ہوگا وغیرہ) فقہاء نے نظام قضاء" پر مستقل کتابیں بھی تحریر کی ہیں، ان میں قاضی کی شرائط، اختیارات، وظیفہ، طریق تقرر، اور مقدمات، کے فیصلہ کے لیے ضروری قواعد سے بحث کی گئی ہے۔

(۴) بین الاقوامی مخصوص

قوانین کبھی مقدمات میں مسلم طبقہ کے ساتھ غیر مسلم افراد بھی بحیثیت فریق شامل ہوتے ہیں، یا غیر ملکی مقیم لوگوں (جو ویزا لیکر دارالاسلام میں داخل ہوئے ہوں) کے درمیان کوئی تنازعہ پیدا ہو اور وہ عدالت کی طرف رجوع ہوں، ایسے معاملات اور مسائل کے احکام ملکی قوانین کے ذیل میں بیان کئے جاتے ہیں، فقہاء نے مستقل ابواب میں اہل ذمہ، مستامن، اور حربی کے عنوانات کے تحت اس قسم کے احکام سے بحث کی ہے، علاوہ ازیں کتاب السیر اور کتاب الجہاد میں بعض ایسے اصول مقرر کر دیئے گئے ہیں جن کے مطابق ذمی اور مستامن یا کافر و مسلم کے درمیان پیدا ہونے والے اختلافات کو حل کیا جاسکتا ہے۔

(۵) سیاست شرعیہ یا سلطانی قوانین

اس حصۂ قوانین میں تشکیل حکومت، تنصیب عمال وقضاۃ، حکمراں کے انتخاب کا طریقہ، شرائط اور اہلیت، حکومت اور عوام کا رشتہ، حکومت پر عوام کے حقوق، حکومت کے تئیں عوام کی ذمہ داریاں اور احساسات، اور تقسیم کار کے اصول سے متعلق مسائل واحکام آتے ہیں، فقہاء نے کتاب السیر والجہاد کے تحت ان احکام سے بحث کی ہے، اور بعض نے اس پر مستقل کتابیں لکھی ہیں، مثلاً علامہ ابن تیمیہؒ (متوفی ۷۲۸ھ کی "کتاب السیاسۃ الشرعیۃ" قاضی ابویعلیٰ الماوردی الحنبلی (متوفی ۴۵۸ھ) کی "الاحکام السلطانیۃ والولایات الدینیۃ" اور علامہ ابن قیم جوزی (م ۷۵۱ھ) کی الطرق الحکمیۃ، وغیرہ۔ جدید قانون کی زبان میں اس قسم کے قوانین کو "دستوری اور اداری احکام" کہا جاتا ہے۔

(۶) مالیاتی قوانین

یعنی ایسے قوانین جن میں بیت المال اور سرکاری خزانہ کے نظام، وسائل آمدنی، مصارف اور طریقۂ صرف، ذمہ داریاں، اور دیگر مسائل سے بحث کی جاتی ہے، فقہاء نے عام طور پر الزکاۃ، العشر، الخراج، الجزیۃ، الرکاز، وغیرہ ابواب کے تحت ان مسائل کو بیان کیا ہے، اس موضوع پر بعض فقہاء نے مستقل کتابیں بھی تحریر کی ہیں، مثلاً قاضی ابویوسفؒ نے ہارون رشید کی فرمائش پر ریاست کے مالی نظام کے موضوع پر کتاب الخراج کے نام سے مستقل کتاب تالیف فرمائی، اسی طرح ابوعبیدۃ کی کتاب الاموال، اور یحی بن آدم القرشی کی کتاب الخراج بھی اس موضوع پر بہت اہم ہیں۔ (

۷) بین الاقوامی قوانین (خارجہ تعلقات کے احکام)

اس سے مراد ایسے قوانین ہیں جن میں ملکوں اور اقوام عالم کے باہمی تعلقات پر روشنی ڈالی جائے، حالت جنگ اور حالت امن میں ایک ملک کی دوسرے ملک کے ساتھ تعلقات کی نوعیت کیا ہوگی؟ اور ایک دوسرے پر کیا اخلاقی اور قانونی ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں؟ اس نوع کے مسائل واحکام بیان کئے جاتے ہیں، فقہاء نے سیر ومغازی، اور کتاب الجہاد، کے تحت اس قسم کے مسائل سے مفصلاً بحث کی ہے اور بعض اہم کتابیں بھی اس موضوع پر

تالیف کی ہیں، مثلاً امام محمد بن الحسن شیبانی کی کتاب "السیر الصغیر" اور السیر الکبیر" امام اوزاعی کی "السیر" اور امام ابو یوسفؒ کی "الرد علی سیر الاوزاعی" وغیرہ۔

(۸) عقوبات (قانون تعزیر)

فقہاء نے اس ذیل کی تفصیلات، جنایات، دیات، معاقل، قسامۃ، قطاع الطریق، بغاۃ، اور حدود و تعزیرات کے ذیل میں ذکر کی ہیں، بہت سے جرائم کی سزا اسلامی عدالت کی صوابدید پر چھوڑ دی ہیں، البتہ ایسے ضابطے ذکر کر دیئے ہیں جن پر نئے مسائل واحکام کی تطبیق کی جاسکتی ہے۔

غرض اسلام ایک کامل نظام قانون ہے، اور ہر جدید سے جدید تر مسئلہ کا حل اس کی روشنی میں نکالا جاسکتا ہے، انفرادی زندگی ہو یا اجتماعی زندگی اور تہذیبی اور عمرانی ترقیات کا باب ہو یا سیاسی اور بین الاقوامی مسائل کا شعبہ، اسلامی قانون ہر مرحلے پر مکمل رہنمائی کرتا ہے۔

ومن احسن

من اللہ حکما لقوم یو قنون (المائدۃ:۵۰) ترجمہ: اللہ سے بڑھ کر حکم و قانون کس کا ہو سکتا ہے، بشرطیکہ یقین کرنے والی قوم ہو۔

اس بحث کے بعد انسانی قوانین کے تناظر میں اسلامی قانون کی تفہیم و تشریح کی جائے، دراصل طلبہ ہمارے مدارس سے فارغ ہونے کے بعد جب کارگاہ حیات میں قدم رکھتے ہیں، تو متعدد ایسی قانونی پیچیدگیوں کا انہیں سامنا ہوتا ہے کہ وہ بادی النظر میں محسوس کرتے ہیں کہ ہم نے تو اس تعلق سے کچھ پڑھا ہی نہیں، حالانکہ یہ تمام قانونی مباحث مختلف عنوانات اور ترتیب کے تحت ان کے سامنے سے گذر چکے ہوتے ہیں، مگر وہ اس کی معرفت نہیں رکھتے، اس لئے فراغت سے پہلے پہلے ان کے سامنے یہ تشریحات بھی آجانی چاہئیں، تاکہ وہ احساس کمتری کے شکار نہ ہوں:

انسانی قوانین کے اقسام

قانون اسلامی میں قانون وضعی کی تمام تر تفصیلات موجود ہیں، مگر اس کے لیے مناسب ہے کہ وضعی قوانین کے بنیادی حصوں پر ایک نظر ڈال لیں۔

وضعی قانون کی بنیادی طور پر دو قسمیں ہیں۔

(۱) قانون عام (کامن لاء) (۲) قانون خاص (پرسنل لاء)

اس تقسیم کی بنیاد ریاست کے وجود یا عدم وجود کے تصور پر ہے، ریاست اور اس سے پیدا ہونے والے روابط کا وضعی قوانین میں بڑا دخل ہے۔

اگر قانون میں ریاست کو بطور ایک فریق تسلیم کیا گیا ہو اور اس کے لحاظ سے افراد یا ریاستوں کے تعلقات پر روشنی ڈالی گئی ہو تو اس کو قانون عام کہا جاتا ہے۔

اور اگر قانون میں ریاست اور حکومت کے مسائل زیر بحث نہ ہوں بلکہ افراد واشخاص کے باہمی تعلقات یا شخصی مفادات کے مسائل زیر بحث ہوں تو اس کو قانون خاص کہا جاتا ہے۔

قانون عام کی دو قسمیں ہیں۔

(۱) خارجہ قانون جس کو بین الاقوامی قانون بھی کہا جاتا ہے۔ (۲) داخلی قانون خارجہ یا بین الاقوامی قانون سے مراد وہ مجموعۂ قواعد ہے جس میں ریاستوں کے تعلقات اور واجبات سے بحث کی گئی ہو، خواہ حالت جنگ سے متعلق ہو یا حالت امن سے۔ (۲) اور داخلی قانون سے مراد وہ مجموعۂ قواعد ہے جس میں تشکیل حکومت، معیار اور طریق کار، فرد اور حکومت کے رشتہ، اور دونوں کے تئیں اپنی اپنی ذمہ داریوں سے بحث کی گئی ہو۔ داخلی قانون کی چار قسمیں ہیں۔

(۱) آئینی قانون (۲) انتظامی قانون (۳) مالی قانون (۴) قانونِ تعزیر

(۱) آئینی قانون سے مراد وہ مجموعۂ قواعد ہے جن میں تشکیل حکومت کے نظام اور طریقہ کار، دیگر سرکاری محکمہ جات کے اختیارات، فرائض اور باہم محکمہ جاتی روابط، افراد کے ساتھ ان کے تعلقات کی نوعیت، شہریوں کے اساسی حقوق اور ان کی آزادی کی ضمانت وغیرہ مسائل سے بحث کی گئی ہو۔

(۲) انتظامی قانون سے مراد وہ مجموعۂ قواعد ہے جن میں حکومت کے طریقہ کار، اختیارات کے استعمال کے حدود، مقررہ ضروریات وخدمات کے لیے مقررہ اشخاص وافراد کا تقرر، مرکز سے ریاستوں کے تعلقات کی نوعیت، اور دیگر انتظامی امور، ملازمت کے شرائط، اور ان کی نگرانی وتحفظ کے ضوابط سے بحث کی گئی ہو۔ (۳) مالی قانون سے مراد حکومت کے مالیاتی نظام سے متعلق قواعد ہیں، اس میں بالعموم چار طرح کے مسائل زیر بحث ہوتے ہیں۔

(۱) عمومی اخراجات (

۲) عمومی آمدات (۳) عمومی قرضے (۴) حکومت کا بجٹ (۴) قانون تعزیر سے مراد وہ مجموعہ قواعد ہے جس میں جرائم کی تحدید وتعریف، مقررہ سزاؤں کا بیان، ملزم کے خلاف کارروائی، قانونی اقدامات، اور سزاؤں کی تنفیذ وغیرہ احکام سے بحث کی گئی ہو۔

قانون خاص

(۱) قانون خاص سے مراد وہ مجموعۂ قواعد ہے جن میں ان روابط وتعلقات سے بحث کی گئی ہو جس میں ریاست بحیثیت فریق شامل نہ ہو، اس میں عام شہری تعلقات پر، یا حکومت کے ساتھ شہریوں کے معاملات کس نوعیت کے ہونے چاہئیں، اس پر روشنی ڈالی گئی ہو۔

اس کی بھی کئی قسمیں ہیں:

(۱) شہری قانون (۲) تجارتی قانون (۳) بحری قانون (۴) عملی قانون (۵) عدالتی قانون

(شہریت اور تجارت سے متعلق) (۶) خاص بین الاقوامی قانون۔

(۱) **شہری قانون** سے مراد وہ مجموعہ قواعد ہے جو شہریوں کے باہمی تعلقات سے بحث کرے، قانون خاص میں یہی قانون سب سے زیادہ اہمیت رکھتا ہے، دیگر قوانین اس کی فروع ہیں۔

شہری قانون درج ذیل دونوں قسم کے مسائل اور متعلقات سے بحث کرتا ہے۔

(الف) شخصی احوال (پرسنل لاء) کے مسائل (ب) مالی سرگرمیوں سے متعلق مسائل (

۲) **قانون تجارت:** یعنی تجارتی اعمال سے متعلق قواعد کا مجموعہ۔ (

۳) **قانون بحری:** یعنی سمندر میں جہاز رانی، اور سمندری حدود وغیرہ سے متعلق قواعد کا مجموعہ۔ (۴) **قانون عمل:** یعنی وہ مجموعۂ قواعد جس میں اجرت وعمل سے متعلق مسائل زیر بحث لائے گئے ہوں۔ (۵) **عدالتی قانون:** یعنی حقوق میں اختلاف کے وقت عدالتوں میں مقدمات کی پیشی سے کارروائی تک کے قواعد کا مجموعہ۔ (۶) **بین الاقوامی خاص قانون:**

یعنی غیر ملکی افراد کے لیے مخصوص قوانین کا مجموعہ جن کی پابندی غیر ملکی واردین پر بھی عائد ہوتی ہو اور مقامی حکومت پر بھی۔ (المدخل للعلوم القانونیۃ للدکتور توفیق فرج: ص ۶۶-۳۵)

کتب فقہ میں انسانی قانون کے موضوعات

وضعی قانون کے تمامتر موضوعات، فقہ اسلامی کی کتابوں میں موجود ہیں، فقہ اسلامی کے طالب علم کے لیے ضروری ہے کہ وہ ان مقامات کو جانے جہاں یہ موضوعات مل سکتے ہیں، چونکہ فقہاء کی ترتیب اور تعبیر وضعی قوانین کی ترتیب وتعبیر سے مختلف ہے اس لیے بصیرت کے لیے یہ معلوم ہونا ضروری ہے کہ وضعی قانون کی کون سی بحث ہمارے یہاں کہاں مل سکتی ہے؟ ورنہ بسا اوقات طالب علم دھوکہ میں رہ جاتا ہے کہ شاید وضعی قانون کی یہ بحث ہمارے یہاں نہیں آئی ہے: مثلاً بین الاقوامی قانون: **بین الاقوامی قوانین**

فقہاء نے اس موضوع پر مستقل کتابیں بھی لکھی ہیں، اور فقہی کتابوں میں مستقل ابواب کے تحت ان مسائل سے تفصیلی بحث بھی کی ہے، امام محمد کی کتاب "السیر الکبیر" اس موضوع پر کافی اہم مانی جاتی ہے، بلکہ معاصر علماء قانون بین الاقوامی قوانین کے سلسلے میں اس کتاب کو باوا آدم کا درجہ دیتے ہیں۔

دیگر فقہی کتابوں میں بھی یہ موضوع "کتاب السیر

والمغازی" کے تحت آیا ہے، بین الاقوامی قوانین کو سیر ومغازی کا نام کیوں دیا گیا؟ اس کی توجیہ کرتے ہوئے امام سرخسی فرماتے ہیں:

"سیر "سیرۃ" کی جمع ہے، ان کو "سیر" اس لیے کہا جاتا ہے کہ اس میں بتایا جاتا ہے کہ مسلمانوں کا کردار مشرکین، معاہدین، محاربین، اہل ذمہ، مرتدین، اور باغیوں کے ساتھ کیسا ہونا چاہئے، اور "مغازی" اس لیے کہتے ہیں کہ اس باب کے زیادہ تر قواعد غزوات سے ماخوذ ہیں۔ (مبسوط للسرخسی: ج ۱۰/ص ۲) (

۱) بین الاقوامی قانون کے عناصر

بین الاقوامی قانون میں ملک کو مرکزی شخص کا درجہ حاصل ہے، اسلامی قانون نے ملک اور حکومت کو شخص واحد کا درجہ دیتے ہوئے اس کی تین قسمیں کی ہیں اور ہر ایک کے جداگانہ احکام بیان کئے ہیں۔ (۱) **دارالاسلام:** وہ ملک جس میں مسلمانوں کو اقتدار اعلیٰ اور غلبۂ قوت حاصل ہو۔ (۲) **دارالحرب:** وہ ملک جس میں مسلمانوں کو غلبہ واقتدار حاصل نہ ہو اور نہ اس سے کسی مسلم ملک کا کوئی معاہدہ ہو۔ (۳) **دارالعہد:** وہ ملک جس میں مسلمانوں کو غلبہ واقتدار حاصل نہ ہو لیکن وہ کسی اسلامی ملک سے معاہداتی تعلق رکھتا ہو۔

(۲) قانونی بالادستی

اسلامی قانون میں اطاعت کا تصور صرف ملکی حدود کے ساتھ مخصوص نہیں ہے، (جیسا کہ عصر جدید کے بین الاقوامی قوانین میں معروف ہے) بلکہ یہ دینی اور ملکی دونوں بنیادوں پر استوار ہوتا ہے، اسی لیے اسلامی قانون کے مطابق مسلمان خواہ دنیا کے کسی حصے کا متوطن ہو اس پر اسلامی قانون کی اطاعت لازم ہے۔ اسی طرح دارالاسلام کے تمام شہریوں پر بھی اسلامی قانون کی بالادستی تسلیم کرنا لازم ہے، خواہ وہ مسلمان ہوں یا ذمی، یا امان لے کر ملک میں داخل ہونے والے افراد، البتہ ہر طبقہ کے لیے جداگانہ قوانین ہیں، اور ہر طبقہ پر اس کے مخصوص قوانین ہی عائد ہوں گے۔

فقہاء نے ذمیوں کے مخصوص احکام پر مستقل ابواب قائم کئے ہیں، اور کتابیں لکھی ہیں علامہ ابن القیم کی کتاب "الطرق الحکمیۃ" اس موضوع پر کافی مفصل اور اہم ہے۔

(۳) ریاست

ریاست مملکت ہی کا ایک جزو ہے، اس پر ملکی قانون کی تعمیل لازم ہوتی ہے، فقہاء نے ملک کی مختلف قسموں، دارالاسلام، دارالحرب، اور دارالعہد، کے علاوہ ریاست کے وجود پر بھی بحث کی ہے، اور مرکز اور ریاست کے تعلقات پر روشنی ڈالی ہے، فوجی اور مرکزی طور پر ریاست ملکی امیر اور قانون کی پابند ہے۔

(۴) توسیع مملکت کا ضابطہ

ریاست یاصوبہ بین الاقوامی قانون کے مطابق اس قطعۂ اراضی کا نام ہے جس پر ہر مملکت اپنا قبضہ وتسلط حاصل کرنا اور برقرار رکھنا چاہتی ہے، اور وہ مملکت کے بنیادی عناصر کا حصہ ہوتا ہے۔ کسی نئی ریاست پر قبضہ کے کئی طریقے ہیں: (۱)استیلاء (۲) رابطہ (۳) کوئی مملکت کسی حق کی بناپر کسی حصہ سے دستبردار ہو جائے۔ (۴) فتح (۵) قبضۂ اولین فقہاء نے ان طریقوں سے بحث کی ہے، بالخصوص فتح اور دستبرداری کے طریقے پر، اسی طرح ان نو آبادیات سے حاصل شدہ آمدنی کے بارے میں بھی گفتگو کی ہے..... مثلاً:

مسلمانوں کے زیر قبضہ اراضی کی تین قسمیں ہیں:

(۱) وہ اراضی جن پر مسلمانوں نے بزور قبضہ حاصل کیا ہو اور دشمنو ں کو قتل، قید یا جلاوطن کر کے وہاں سے بے دخل کر دیا ہو۔

(۲) وہ اراضی جہاں دشمنوں کو معاف کر کے قبضہ کر لیا گیا ہو اور پھر انہی کے زیر تصرف چھوڑ دیا گیا ہو۔

(۳) وہ اراضی جن پر صلح ومعاہدہ کے مطابق قبضہ حاصل ہوا ہو۔

امام ابوعبید قاسم بن سلام نے ان کے تعلق سے گفتگو کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

"بزور حاصل شدہ ملکوں کے باشی اگر مسلمان ہو جائیں تو ان کی زینات اور جائدادیں ان کی ملکیت میں باقی رہیں گی، اور جن اراضی پر مقررہ پیداوار دینے کی شرط پر بطور مصالحت قبضہ ہوا ہو ان کے ساتھ معاہدہ کے مطابق معاملہ کیا جائے گا..... البتہ جن اراضی کو بزور حاصل کیا جائے اور وہاں کے لوگ مسلمان نہ ہوں تو اس میں فقہاء کا اختلاف ہے، بعض حضرات کی رائے ہے کہ ان اراضی پر مال غنیمت کا حکم عائد ہو گا، اور بعض نے امام المسلمین کی صوابدید پر چھوڑ دیا ہے،.... البتہ جو علاقہ بطور معافی حاصل ہو وہ اسلامی مملکت کا موقوفہ علاقہ قرار پائے گا، اور جو علاقہ بطور مصالحت حاصل ہو وہ ایک رائے کے مطابق دارالاسلام قرار پائے گا، اور دوسری رائے میں وہ دارالاسلام کا حصہ نہ ہو گا، بلکہ دارالاسلام سے الگ دارالعہد کہلائے گا، جو داخلی مسائل میں آزاد ہو گا، مگر خارجی معاملات میں دارالاسلام کے قوانین خارجہ کا پابند ہو گا۔"

(۵)معاہداتی ذمہ داری

وہ تمام ممالک اور علاقے جو معاہدہ کے مطابق اسلامی مملکت کا حصہ ہیں وہ خارجہ قوانین کے مطابق معاہدات کے لیے جواب دہ ہوں گے، اور معاہدے کی خلاف ورزی کی صورت میں ہونے والے نقصانات کے ذمہ دار ہوں گے۔ فقہاء نے ان معاہدات کی تعمیل وتکمیل کے تعلق سے مفصل بحثیں کی ہیں، اور ایفائے عہد کو لازمی جزو قرار دیا ہے، کتب فقہیہ میں اس قسم کے کئی معاہدات کا تذکرہ ملتا ہے، مثلاً جنگ بندی کا معاہدہ، عہد جوار، عہد وصلح دائم، عہد صلح موقت، اہل معاہدہ اور ذمیوں کے خاص معاہدات وغیرہ، اسی طرح انہوں نے یہ بحث بھی کی ہے کہ کن حالات وظروف میں معاہدہ کو کالعدم قرار دیا جائے گا، اسی طرح جو

معاہدہ قرآن وسنت کے خلاف ہو وہ باطل اور کالعدم ہو گا انہوں نے یہ وضاحت بھی کی ہے کہ جو ممالک معاہدات میں شامل ہیں ان میں سے کوئی اگر نقض عہد کا مرتکب ہو گا، تو اس کے خلاف جنگی کارروائی کی جاسکتی ہے۔

(۶) رفع منازعات کے ضابطے

اگر دو ملکوں یا دو ریاستوں میں کسی قسم کا تنازعہ پیدا ہو جائے، تو اس تنازعہ کے خاتمے کا پر امن راستہ یہ ہے کہ دونوں ملک باہم بات چیت کے ذریعہ معاملہ کا تصفیہ کرلیں، یا کوئی فرد یا ملک دوستانہ طور پر دونوں کے درمیان مصالحت کی کوشش کرے، یا پھر کوئی ملک باقاعدہ ثالثی کا کردار ادا کرے، یا پھر بین الاقوامی عدالت میں مقدمہ دائر کیا جائے۔

مگر کبھی پر امن طریقے تنازعہ ختم کرنے میں ناکام ہو جاتے ہیں تو عالمی برادری کو جبری طریقہ اختیار کرنا پڑتا ہے، یعنی تشدد کا جواب تشدد سے مثلاً فوجی کارروائی، بھاری ٹیکسوں کا تعین، یا تمدنی رکاوٹیں یا بحری یا اقتصادی ناکہ بندی وغیرہ۔

موجودہ بین الاقوامی قانون میں یہ طریقے سترہویں صدی کے نصف اول کے بعد کی ایجاد ہیں اس سے پہلے مروجہ عالمی قوانین میں ان کا سراغ نہیں ملتا۔ لیکن شریعت اسلامیہ اور فقہ اسلامی میں اس کی نظیریں پہلے سے موجود ہیں، اور فقہاء نے فرد اور ریاست یا دو ریاستوں کے درمیانی اختلافات کے مسئلہ پر روشنی ڈالی ہے۔ مثلاً کسی ملک یا قوم سے جنگ کے لیے شریعت اسلامیہ لازم قرار دیتی ہے کہ پہلے دعوت اسلام دی جائے، پھر دوستی کی پیش کش کی جائے، اس کے بعد جنگ کا نمبر ہے، اور جنگ کو بھی صرف دو مقاصد کے لیے جائز قرار دیتی ہے (۱) راہ خدا میں حائل رکاوٹوں کو دور کرنے کے لیے (۲) دوسرے اپنے ضروری دفاع اور تحفظ کے لیے۔ تخریب کاری اور دہشت گردی کو ممنوع قرار دیا گیا ہے، جنگ کو صرف میدان جنگ تک محصور کیا گیا ہے، خفیہ جنگی کارروائی یا گوریلا جنگ کی سوائے شدید حالات کے اجازت نہیں دی گئی ہے، عورتوں، بچوں اور بوڑھوں کو قتل کرنے سے منع کیا گیا۔

اس طرح شریعت اسلامیہ نے جنگ کے خاتمے کی تین صورتیں مقرر کی ہیں۔

(۱) جن مقاصد کے لیے جہاد ہے ان کو پورا کر دیا جائے، جنگ خود ختم ہو جائے گی۔

(۲) وقتی جنگ بندی کر کے دونوں فریقوں کو سوچنے کی مہلت دی جائے۔

(۳) تیسری صورت یہ ہے کہ دائمی طور پر دونوں فریق باہم مصالحت کرلیں۔

اسی طرح قانون اسلامی نے قیدیوں کے ساتھ حسن سلوک اور اکرام کی تلقین کی، اور حکمرانوں کو اختیار دیا کہ چاہیں تو فدیہ لے کر ان کو چھوڑ دیں اور چاہیں تو بلا فدیہ آزاد کر دیں۔ اس طرح کی بعض نظیریں شریعت اسلامیہ میں پہلے سے موجود ہیں، جدید حالات میں بین الاقوامی اختلافات کو ان کی روشنی میں حل کیا جاسکتا ہے، اور ان سے بعض قواعد واصول نکالے جاسکتے ہیں۔

قانون داخلی

داخلی قانون کی چار قسمیں ہیں:

(۱) آئینی قانون (۲) انتظامی قانون (۳) فوجداری قانون (۴) مالی قانون فقہاء نے ان قوانین سے بھی تعرض کیا ہے، مثلاً

(۱) آئینی قانون:

آئینی قانون کے تعلق سے فقہاء نے درج ذیل مقامات پر بحث کی ہے،

امامت، خلافت، بیعت، حکمرانوں کی شرائط، حکومت پر عوام کے حقوق، عدل، مساواۃ، اور شوریٰ وغیرہ۔

(۲) انتظامی قانون:

جس میں نظم مملکت کے قواعد آتے ہیں، کتب فقہ میں یہ بحث السیاسۃ الشرعیۃ" یا الاحکام السلطانیۃ" کے تحت آتی ہے بعض علماء نے اس پر مستقل کتابیں لکھی ہیں، مثلاً ابن تیمیہ کی "السیاسۃ الشرعیۃ" ابو یعلیٰ کی "الاحکام السلطانیۃ" اور ماوردی کی الاحکام السلطانیۃ" وغیرہ۔

(۳) فوجداری قانون: کے مباحث کتب فقہ میں، جنایات، قطاع الطریق اور حدود و تعزیرات کے تحت ملتے ہیں، بعض جرائم کی سزائیں شریعت نے خود مقرر کر دی ہیں، اور بعض کو قاضیوں اور عدالت کی صوابدید پر چھوڑ دیا ہے۔

(۴) مالی قانون: فقہاء نے متفرق مقامات پر اس تعلق سے گفتگو کی ہے، کتاب الزکوٰۃ، عشر، خراج، جزیہ، رکاز وغیرہ، بعض فقہاء نے اس پر مستقل کتابیں بھی لکھی ہیں، مثلاً امام ابو یوسفؒ کی کتاب الخراج، اور ابو عبید قاسم بن سلام کی کتاب الاموال" وغیرہ۔

قانون خاص

اس میں قانون دیوانی، قانون تجارت، اور عدالتی قوانین آتے ہیں۔

قانون دیوانی

کتب فقہ میں اس تعلق سے بھی مسائل واحکام موجود ہیں، اور معاملات کی مختلف قسمیں فقہاء نے بیان کی ہیں۔

قانون تجارت

کتاب الشرکۃ، المضاربۃ، التفلیس، وغیرہ کے عنوانات سے اس موضوع پر گفتگو کی گئی ہے اور فقہاء نے اپنے دور کی مروجہ یا ممکنہ صورتوں کے احکام بیان کئے ہیں، اور آئندہ کے لیے بعض اصول اور عرف کو معیار مقرر کیا ہے جن کی روشنی

میں نئے تجارتی مسائل کو حل کیا جاسکتا ہے۔

عدالتی قانون

مقدمات کی پیشی، شہادتوں اور بیانات کی سماعت اور عدالتی کاراوئی، اور عدالتی احکامات کے نفاذ وغیرہ کے مسائل سے فقہاء نے ابواب الدعویٰ، القضاء، الشہادۃ، اور الاقرار، وغیرہ کے تحت گفتگو کی ہے۔ غرض عصر جدید کے قوانین کے تمامتر موضوعات کتب فقہ میں زیر بحث آئے ہیں، اور ان کی تمام ضروری بنیادیں فقہاء نے فراہم کر دی ہیں، رہی یہ بات کہ فقہاء کے یہاں وہ ترتیب کیوں نہیں ملتی جو عصر جدید کی قانونی ترتیب ہے، تو غالباً اس کی وجہ یہ ہے کہ اس دور میں اس طرح کی تقسیم کی حاجت نہیں تھی، اس لیے کہ عدالت اور قاضی تمام شعبوں کے لیے جداگانہ نہیں ہوتے تھے، تمام مقدمات ایک عدالت میں پیش کئے جاسکتے تھے، اس لیے اس دور میں موضوعاتی تقسیم کی ضرورت نہیں تھی، عصر جدید میں چونکہ موضوعات کے لحاظ سے شعبوں کی تقسیم عمل میں آگئی ہے، اور ہر عدالت ہر طرح کا مقدمہ نہیں لے سکتی، بلکہ مخصوص شعبوں کے لیے مخصوص عدالتیں قائم کی گئی ہیں، اس لیے ترتیب جدید کی حاجت پڑی۔

وضعی قوانین اور اسلامی قانون کے موضوعاتی موازنہ کے ذیل میں اس حقیقت کا اظہار دلچسپی سے خالی نہیں ہے کہ مغربی جدید قانون میں صدیوں کی مسلسل محنت و تجزیہ کے باوجود وہ موضوعاتی وسعت و جامعیت نہیں آسکی ہے، جو اسلامی قانون کا حصہ ہے، اس لیے کہ وضعی قوانین کے تمامتر موضوعات، اسلامی قانون میں زیر بحث آگئے ہیں، لیکن اسلامی قانون کے کئی مباحث ایسے ہیں جن کا وضعی قوانین میں کوئی ذکر نہیں ہے۔ اسی لیے مشہور مستشرق "نالینو" کہتا ہے: "کہ مغربی زبانوں میں کوئی ایسا لفظ موجود نہیں ہے جو اسلامی قانون کے لفظ "فقہ" کا صحیح متبادل بن سکے، اور فقہ کے مکمل مفہوم کو ادا کر سکے، اور اسکی وجہ بیان کرتے ہوئے کہتا ہے کہ لفظ "فقہ" ان مسائل سے بھی بحث کرتا ہے جو خدا اور بندہ کے تعلق سے مربوط ہیں اور انسان کے ذاتی اور اجتماعی مسائل سے بھی..... فقہ میں عبادات کا بھی ذکر ہے، اور حقوق عامہ کا بھی، مثلاً مسائل خراج اور معادن وغیرہ، اس میں خاندانی مسائل، عائلی زندگی کے متعلقات مثلاً وراثت، نکاح وطلاق سے بھی بحث کی گئی ہے، حقوق مالیہ، اوقاف، آداب قاضی، حدود، عقوبات، سیر، خارجہ قوانین سب ہی مسائل زیر بحث آئے ہیں..... نالینو مزید کہتا ہے کہ..... مغربی قانون کی نگاہ میں جو دینی مسائل ہیں، مثلاً ایمان، نذور، مروجہ ذبیحے، قربانی، حلال وحرام، کھانے پینے، شکار لباس اور زینت کے مسائل، یہ تمام مسائل بھی اسلامی فقہ میں بحیثیت قانون زیر بحث آئے ہیں۔ (کتاب: بل للقانون الرومانی تاثیر علی الفقہ الاسلامی: ۱۱/)

ایک اور مشہور فرانسیسی مستشرق "بوسکہ" اپنے ایک مقالے میں لکھتا ہے کہ: "اسلامی قانون مومن کی پوری زندگی کو محیط ہے، اس میں اسلامی اجتماعی زندگی کا مکمل نقشہ دیا گیا ہے، استنجاء، قضائے حاجت، اور نماز کے مسائل سے لے کر

زکوٰہ، نکاح، بیوع، وصایا، اور جنگ و صلح کے قواعد تک تمام جزئیات اس میں موجود ہیں، (حوالہ سابق)

اختر امام عادل قاسمی

خادم التدریس والافتاء والاہتمام جامعہ ربانی منور واشریف،